آگے فرماتے ہیں :

"انبیاء جو تزکیہ کرتے ہیں اس میں دونوں باتیں ہوتی ہیں، وہ اعمال و اخلاق کو غلط چیزوں سے پاک کرتے ہیں اور ان کے اعمال و اخلاق کو نشو و نما دے کر مفاسد کے بالمقابل استقامت کی قوت بھی پیدا کرتے ہیں۔ (تدبر، ص ۲۹۸، ج ۱)

اس موقع پر ایک سوال ضرور سامنے آتا ہے کہ سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں پہلے تلاوت آیات کا ذکر ہے، پھر تعلیم کتاب و حکمت اور آخر میں تزکیہ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر بعثتِ نبوی کا مختلف انداز سے جو ذکر فرمایا اس میں ترتیب میں البتہ فرق ہے، اصولاً باتیں وہی ہیں ـــ ترتیب میں آیات کی تلاوت کے بعد "تزکیہ" کا ذکر آیا پھر تعلیم کتاب و حکمت کا ـــ ایسا کیوں؟

اصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی عمل و ارشاد پر ہمیں "کیوں" کا حق ہی نہیں، تاہم اس میں جو خاص رمز و اشارہ ہے یا اس کی جو حکمت ہے اس کی غرض سے یہ سوال سامنے آیا۔ تو اس کا جواب کچھ اس طرح ہے کہ انسانی شخصیت، فکر و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ غلط فکر سے غلط عمل ہی جنم لے گا جبکہ صحیح عمل کے لئے تصحیح فکر لازمی ہے۔ فکر صحیح ہو جائے تو غلط خیالات و فاسد افکار از خود دور ہو جائیں گے، قرآن عزیز کا اصل "فلسفۂ تزکیہ" یہی ہے، جس کے لیے مصنوعی تدابیر کی چنداں ضرورت نہیں (جس کا ذکر آئندہ چل کر حکیم امت تھانوی قدس سرہ کے حوالہ سے آرہا ہے) بلکہ تزکیہ عمل لازمی نتیجہ ہے تطہیر فکر کا اور وہ فطری ثمرہ ہے تلاوتِ آیات کا، اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اصطلاحات اربعہ میں تلاوت سے بعد معاً تزکیہ کا ذکر کیا ـــ بقول مولانا اصلاحی:

"پس تلاوتِ آیات کے بعد مذکورہ بالا آیات میں تزکیہ کا ذکر آرہا ہے۔ تو یہ درحقیقت نتیجہ ہے تلاوتِ آیات کا، اللہ کی آیات کی تلاوت سے انسان کے دل سے باطل خیالات و عقائد کی جڑیں جب کٹ جاتی ہیں تو اس کے دل کی زمین صحیح خیالات و عقائد کی تخم ریزی کے لئے بالکل پاک و صاف ہو جاتی ہے۔

(مبادی تدبر قرآن ص ۹۰-۸۹)

اور پھر ایسے دل میں تعلیم کتاب و حکمت اپنے اصل برگ و بار پیدا کرتی ہے اور پھر انسان صحیح معنوں میں "عبداللہ" (اللہ کا بندہ) بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں مختصر بحث "نبی اکرم علیہ السلام کا مقصد بعثت" (ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) نامی

© rasailojaraid.com

کتابچہ میں ملاحظہ فرمالیں ۔ تفصیل مطلوب ہو تو مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب "تجدید تصوف و سلوک" دیکھ لیں۔

نبی اکرم علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن دین کی امانت امت کے سپرد کر گئے ۔ اور "حجۃ الوداع" کے موقع پر "فلیبلغ الشاھد الغائب" کی نصیحت و حکم بھی فرما گئے۔ امت کے رجال دین نے اس امانت کی جس طرح حفاظت کی اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا وہ بلاشبہ ہماری تاریخ کا روشن باب ہے، لیکن اس وقت اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں، اس وقت گفتگو اس رخ پر ہے جس کا تعلق "تزکیہ" سے ہے ۔ صدیوں سے اس خاص مقصد کی غرض سے "تصوّف" کی اصطلاح چل رہی ہے اور مختلف لوگ اس معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار ہیں ۔ یہ بات اہل دین اور بالخصوص مقصدیت کے حامل افراد کے لئے مناسب نہیں، ان کی توجہ اور نظر ہمیشہ مقصد پر رہنی چاہیئے اور ان میں یہ احساس بیدار رہنا لازم ہے کہ دل کا معاملہ سب سے زیادہ نازک ہے۔ اور اس کی اصلاح بے حد ضروری ہے، ورنہ کوئی کام نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا ۔

تصوّف کیا ہے ؟ یہ اصطلاح کب سے شروع ہوئی، اس کا موجد کون ہے ۔ اس انداز کے سوال وہ لوگ تو کر سکتے ہیں جنہیں زندگی میں صرف نظریاتی بحثوں میں وقت گزارنا ہے ۔ اور حق کے پیش نظر کام ہے ۔ وہ کبھی ایسا نہیں کرتے بلکہ جہد و سعی میں لگے رہتے ہیں ـــــ تاہم ایک مخلصانہ مشورہ کے طور پر اتنی گذارش کرنے میں حرج نہیں کہ دینِ اسلام، دینِ قیّم ہے ۔ اس میں کسی قسم کی کمی یا اعوجاج (ٹیڑھاپن) نہیں ۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول، سید کائنات محمد عربی علیہ السلام کے ذریعے مکمل شکل میں ہمارے سپرد فرمایا ـــــ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور اکرم علیہ السلام کے مقاصدِ بعثت یا دوسرے لفظوں میں فرائض نبوت میں ایک اہم مقصد و فرض "تزکیہ" ہے ۔ اس کا جو مفہوم و معنی ہے وہ بھی مختصراً سامنے آچکا ہے ۔ اس کی نہایت خوبصورت ترجمانی "حدیث جبریل" میں ہے جب سیدنا جبریل علیہ السلام حضرت نبی کریم علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں :

فاخبرنی عن الاحسان ؟

"احسان" سے مراد بقول حضرت ملّا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ "اخلاص" ہے جو شرط ہے، ایمان و اسلام کی صحت کے لئے "ـــ بلکہ چند لفظ بعد "القاریؒ" فرماتے ہیں :

والاظھر ان المراد بہ احسان العمل وھو احکامہ واتقانہ و ھو یشتمل الاخلاص وما فوقہ من مرقبۃ الحضور مع اللہ ونفی

الشعور عما سواہ (صد ۵۹، ج ۱)

یعنی "واضح اور ظاہر معنی یہ ہے کہ اس سے مراد " احسانِ عمل " ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اس سے ڈرنا ہے اور یہ اخلاص پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرتبہ حضوری اور اس کے ماسوا کی نفی پر بھی مشتمل ہے"۔

اس سوال کے جواب میں حضور علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ بھی اسی کی دلیل ہے ۔ ارشاد ہے :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ کم از کم یہ تو یقین رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

اہلِ تزکیہ و احسان (صوفیاء) عبادت کا معنی کرتے ہیں :

ان العبادۃ حفظ الحدود والوفا بالعهود وقطع العلائق والشركاء عن شركك والفناء عن مشاهدتك فى مشاهدة الحق ـــــ الخ،

(مرقات صد ۶۰، ج ۱)

حدود اللہی کی حفاظت، عہد و پیمان کو پورا کرنے، ماسوی اللہ کے تعلقات اور شرکاء کے شرک کو قطع کرنے، اپنی شخصیت و مشاہدہ کو حضرت حق کے مشاہدہ اور اس کی عظمت میں فنا کر دینے کا نام عبادت ہے ۔

اس مختصر تشریح سے " مقصد تزکیہ " خوب واضح ہو جاتا ہے اور یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس تزکیہ کا مقصد " احسان " یعنی اخلاص اور حضوریٔ قلب کی شکل میں سامنے آتا ہے، وہی مقصود ہے اور اسی کے حصول پر پورے عمل و کردار کی اصلاح کا دار و مدار ہے ـــــ اس لئے ایسے محققین اہلِ صدق و صفا کی کمی نہیں جو اس جدید اصطلاح "تصوّف" کے بجائے " احسان " ہی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے سنّت سے ثابت اعمال و اصطلاحات کی اہمیت، برکت اور عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اسی اصطلاح یعنی " احسان " کو اپنا لیا جائے تو بڑا ہی مفید ہے۔ ایسا کرنے سے "بدعت" کے سبب جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جس طرح "نورِ سنّت" سے محرومی ہوتی ہے، اس سے بھی ہم بچ جائیں گے ۔ اور سنّتِ مقدسہ کی ترویج و اشاعت اور اس کے " زندہ " کرنے کا ثواب حاصل کر پائیں گے ۔ جو ایک بندۂ مومن کا طرّۂ امتیاز ہے

© rasailojaraid.com

قریبی دور کے "اہل احسان" میں حکیم امت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک بہت بڑے انسان ہو گزرے ہیں، جنکی اردو زبان کی تفسیر "بیان القرآن" کو دیکھ کر امیر المؤمنین فی الحدیث مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اس تفسیر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اردو کا دامن بھی علم سے خالی نہیں۔ اور یہی مولانا تھانوی تھے کہ سید الملۃ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب ان سے بیعت طریقت کی تو پھر ان کا رنگ ہی بدل گیا، حتیٰ کہ راولپنڈی میں میرے ایک مرحوم بزرگ حافظ ریاض احمد اشرفی کے ذخیرہ میں ان کا ایک خط موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے بہت سے "تفردات" سے رجوع کیا اور یہ لکھا کہ جس سلیمان کو آپ تلاش کر رہے ہیں، مدت ہوئی وہ مر گیا۔

انہی مولانا تھانوی کی مجلسی گفتگوؤں کا ایک مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے جیسے ذمہ دار بزرگ کا مرتب کردہ موجود ہے۔ اس میں ایسے ہی مسائل کے ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو چیز انسان کے لیے جتنی زیادہ ضروری ہے اس کا حصول اتنا ہی سہل اور آسان بنا دیا گیا ہے، سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے وہ ہر جگہ ہر وقت مفت ملتی ہے بلکہ ایک درجہ میں جبراً ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے بچنا چاہے تو بچ نہ سکے .... اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا یہ عام نفع کی چیز ہے، اس کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔ فطرۃً اس کا آسان ہونا لازمی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے غلو نے اسے مشکل بنا دیا اور غیر ضروری اصول و اعمال کو تصوف سمجھ لیا۔ حالانکہ تصوف کچھ اور ہی ہے، وہ تو فقط توجہ الی اللہ ہے جس میں اس یقین کا ہونا ضروری ہے کہ ہم توجہ کریں گے تو وہ ہم سے زیادہ توجہ کرے گا (جیسا کہ حدیث میں ہے) اس میں کسی نفلی عمل کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ تکمیل فرائض ضروری ہے ___ اس سلسلہ میں مسند احمد میں ایک روایت بھی ہے کہ کسی نے کسی سے متعلق کہا انی لَاَبغضُ ھٰذا؟ تو انہوں نے پلٹ کر پوچھا اس بغض کا سبب؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں کبھی نفلی نماز وغیرہ میں مشغول نہیں دیکھا، انہوں نے کہا آپ نے مجھے کبھی فرائض میں کوتاہی دیکھی؟ کہا نہیں ___ فرمایا بس میں اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں اور پھر وہ دونوں پیغمبر اقدس کے حضور گئے تو آپ نے ان کی تصویب فرمائی کہ یہ درست کہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اصول تصوف" محض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہو اور احکام شرعیہ

کا اہتمام، اس کے علاوہ جو اشغال ہیں وہ ضرورۃً ہیں۔ اس طریق کا جزو نہیں۔ (ص۲۱۶)

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

"طریقت اور تصوّف نام ہے شریعت پر مکمل اور پورے پورے عمل کا (اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (الآیہ۔البقرہ) اعمالِ ظاہرہ کی طرح اعمالِ باطنہ بھی ہیں اور ان کی اصلاح بھی لازم ہے۔ اس میں سب سے پہلے عقائد کی درستی ہے پھر اخلاق کی اصلاح، تکبر، حسد، بغض، حرص، حب جاہ و مال سے بچنا، تواضع، قناعت، صبر، شکر، اللہ تعالیٰ سے محبت، اللہ کے رسول کی کامل اطاعت، ان کو حاصل کرنا یہی ساری طریقت و تصوف ہے۔"

امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ "الیواقیت والجواھر" میں لکھتے ہیں کہ اعمال باطنہ اور ان کے احکام "فقہ اسلامی" کا باقاعدہ حصہ تھے لیکن کتبِ فقہ میں ان کی تدوین اس لئے نہ ہوئی کہ عموماً ان کا اہتمام ہر مسلم گھرانے میں موجود تھا۔ اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان سے واقف نہ ہو اور ان پر عامل نہ ہو، بعد میں جب لوگ غفلت کا شکار ہوگئے تو اس کی تدوین بطور ایک فن کے ہوگئی اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے نبی امی علیہ السلام کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تدوین نہ تھی۔ بعد میں ضرورت پر اس کا اہتمام ہوا۔

المختصر! اعمالِ باطنہ کے احکام کتبِ فقہ میں مدوّن نہ ہونے سے یہ دھوکا کھانا صحیح نہیں کہ یہ شرعی احکام نہیں یا ان کی اہمیت نماز روزہ سے کم ہے ___ نہیں بلکہ ان کی اہمیت اسی طرح ہے بلکہ بعض حالتوں میں ان سے بڑھ کر۔ (ص۱۴۰)

ایک جگہ فرمایا کہ میرے نزدیک صوفی کی تعریف "عالم باعمل" ہے۔ باقی جو باتیں ہیں وہ تعریف کا جزو نہیں، اس کے ثمرات ہیں (ص۳۰۲)

جس طرح زندگی کے کسی میدان میں بھی کوئی شخص اپنے استاد کی عظمت، احترام اور اس کی قدردانی کے بغیر کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح اس راہ کے جو مرد میدان ہیں، ان کی صحبت، احترام اور ان سے محبّت و تعلق لازم ہے ورنہ کوئی تعلیم و تلقین کارگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت مولانا و مقتدانا السید محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "منصبِ امامت" میں لکھا ہے کہ:

بزرگوں (مشائخ) کا فیض صحبتِ آفتاب کے مشابہ ہے کہ اس کا فائدہ سبھی کو ہوتا ہے استفادہ کرنے والے کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو اور وہ استفادہ کا قصد کرے یا نہ کرے۔

© rasailojaraid.c

قریبی دور کے "اہل احسان" میں حکیم امت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک بہت بڑے انسان ہوگذرے ہیں، جنکی اردو زبان کی تفسیر "بیان القرآن" کو دیکھ کر امیر المؤمنین فی الحدیث مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اس تفسیر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اردو کا دامن بھی علم سے خالی نہیں۔ اور یہی مولانا تھانوی تھے کہ سید الملۃ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جب ان سے بیعت طریقت کی تو پھر ان کا رنگ ہی بدل گیا، حتیٰ کہ راولپنڈی میں میرے ایک مرحوم بزرگ حافظ ریاض احمد اشرفی کے ذخیرہ میں ان کا ایک خط موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے بہت سے "تفردات" سے رجوع کیا اور یہ لکھا کہ جس سلیمان کو آپ تلاش کر رہے ہیں، مدت ہوئی وہ مرگیا۔

انہی مولانا تھانوی کی مجلسی گفتگوؤں کا ایک مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جیسے ذمہ دار بزرگ کا مرتب کردہ موجود ہے۔ اس میں ایسے ہی مسائل کے ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو چیز انسان کے لیے جتنی زیادہ ضروری ہے اس کا حصول اتنا ہی سہل اور آسان بنا دیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے وہ ہر جگہ ہر وقت مفت ملتی ہے بلکہ ایک درجہ میں جبراً ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے بچنا چاہے تو بچ نہ سکے .... اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا یہ عام نفع کی چیز ہے، اس کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔ فطرۃً اس کا آسان ہونا لازمی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے غلو نے اسے مشکل بنا دیا اور غیر ضروری اصول و اعمال کو تصوف سمجھ لیا۔ حالانکہ تصوف کچھ اور ہی ہے، وہ تو فقط توجہ الی اللہ ہے جس میں اس یقین کا ہونا ضروری ہے کہ ہم توجہ کریں گے تو وہ ہم سے زیادہ توجہ کرے گا (جیسا کہ حدیث میں ہے) اس میں کسی نفلی عمل کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ تکمیل فرائض ضروری ہے ___ اس سلسلہ میں مسند احمد میں ایک روایت بھی ہے کہ کسی نے کسی سے متعلق کہا انی لَاُبْغِضُ ھٰذا ؟ تو انہوں نے پلٹ کر پوچھا اس بغض کا سبب ؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں کبھی نفلی نماز وغیرہ میں مشغول نہیں دیکھا، انہوں نے کہا آپ نے مجھے کبھی فرائض میں کوتاہی دیکھی ؟ کہا نہیں ___ فرمایا بس میں اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں اور پھر وہ دونوں پیغمبر اقدس کے حضور گئے تو آپ نے ان کی تصویب فرمائی کہ یہ درست کہتے ہیں۔ (صہ ۲۰۰، ۲۰۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اصولِ تصوف" محض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہو اور احکام شرعیہ

کا اہتمام، اس کے علاوہ جو اشغال ہیں وہ ضرورتہً ہیں۔ اس طریق کا جزو نہیں۔ (ص۲۱۶)

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

"طریقت اور تصوّف نام ہے شریعت پر مکمل اور پورے پورے عمل کا" (اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (الآیہ ـ البقرہ) اعمالِ ظاہرہ کی طرح اعمالِ باطنہ بھی ہیں اور ان کی اصلاح بھی لازم ہے۔ اس میں سب سے پہلے عقائد کی درستی ہے پھر اخلاق کی اصلاح، تکبر، حسد، بغض، حرص، حب جاہ و مال سے بچنا، تواضع، قناعت، صبر، شکر، اللہ تعالیٰ سے محبت، اللہ کے رسولؐ کی کامل اطاعت، ان کو حاصل کرنا یہی ساری طریقت و تصوف ہے"۔

امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ "الیواقیت والجواھر" میں لکھتے ہیں کہ اعمال باطنہ اور ان کے احکام "فقہ اسلامی" کا باقاعدہ حصہ تھے لیکن کتبِ فقہ میں ان کی تدوین اس لئے نہ ہوئی کہ عموماً ان کا اہتمام ہر مسلم گھرانے میں موجود تھا۔ اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان سے واقف نہ ہو اور ان پر عامل نہ ہو۔ بعد میں جب لوگ غفلت کا شکار ہو گئے۔ تو اس کی تدوین بطور ایک فن کے ہو گئی اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے نبی امی علیہ السلام کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تدوین نہ تھی۔ بعد میں ضرورت پر اس کا اہتمام ہوا۔

المختصر! اعمالِ باطنہ کے احکام کتبِ فقہ میں مدوّن نہ ہونے سے یہ دھوکا کھانا صحیح نہیں کہ یہ شرعی احکام نہیں یا ان کی اہمیت نماز روزہ سے کم ہے ـــــ نہیں بلکہ ان کی اہمیت اسی طرح ہے بلکہ بعض حالتوں میں ان سے بڑھ کر۔ (ص۱۴۰)

ایک جگہ فرمایا کہ میرے نزدیک صوفی کی تعریف "عالم باعمل" ہے۔ باقی جو باتیں ہیں وہ تعریف کا جزو نہیں، اس کے ثمرات ہیں (ص۳۰۲)

جس طرح زندگی کے کسی میدان میں بھی کوئی شخص اپنے استاد کی عظمت، احترام اور اس کی قدردانی کے بغیر کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح اس راہ کے جو مردِ میدان ہیں، ان کی صحبت، احترام اور ان سے محبّت و تعلق لازم ہے ورنہ کوئی تعلیم و تلقین کارگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت مولانا و مقتدانا السید محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "منصبِ امامت" میں لکھا ہے کہ:

بزرگوں (مشائخ) کا فیض صحبتِ آفتاب کے مشابہ ہے کہ اس کا فائدہ سبھی کو ہوتا ہے استفادہ کرنے والے کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو اور وہ استفادہ کا قصد کرے یا نہ کرے۔

© rasailojaraid.com

یہی حال بزرگانِ دین اور مشائخ کا ہے اور ایسے حضرات کی علامت یہ ہوتی ہے کہ جب آدمی ان سے دور ہوتا یا ان کی وفات ہوتی ہے تو قلوب میں ایک طرح کی ظلمت محسوس ہوتی ہے۔

اس پر مولانا تھانوی نے ایک روایت سے استشہاد بھی کیا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سرورِ کائنات علیہ السلام کی وفات پر کہا:

وَاللّٰہُ مَا اَنْفَضْنَا اَیْدِیَنَا مِنَ التُّرَابِ حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا

کہ رسول اکرم علیہ السّلام کی تدفین کر کے ہم نے مٹی سے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے کہ ہمارے قلوب میں تغیر محسوس ہونے لگا۔ (ص ۱۰۸-۱۰۷)

اور اسی کی تائید میں وہ روایت بھی ہے جس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے "نفاق" کا خدشہ ظاہر کیا، اس پر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خیریت تو ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ صحبتِ نبوی میں اور کیفیت ہوتی ہے، وہاں سے علیحدگی پر حال ہی بدل جاتا ہے۔ —— تو سیدنا صدیق چونک پڑے، فرمایا، میرا بھی یہی حال ہے اور پھر دونوں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا تو رسول اکرم علیہ السّلام نے تسلّی دلائی کہ میری صحبت و معیت میں جو کیفیت تمہیں حاصل ہوتی ہے اگر سدا وہی رہے تو مدینہ کی گلیوں میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم سے مصافحے کرتے پھریں۔ —— اور ایسے ہی اہل کمال کے متعلق فرمایا گیا کہ

"اللہ والے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آ جائیں۔" (حدیثِ نبوی)

اس راہ کے مسافر، تین خوبیوں سے متصف ہوں تو وہ کامل شمار ہوتے ہیں اور اس قابل کہ وہ دوسروں کے قلوب کی صفائی کا اہتمام کریں۔ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید اجودھنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب خادم خواجہ نظام الدین بدایونی ثم دہلوی کو جب دہلی روانہ فرمایا کہ تغلق آباد (دہلی) میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرو تو ساتھ ہی فرمایا:

"باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق عطا فرمودہ است و ہر کہ بایں سہ صفات متصف باشد خرقہ خلافت او را نیکو آید" (فوائد الفوائد)

اس میں جن تین خوبیوں کا ذکر ہے اور جن کے حامل کو ہم نے "کامل" کہا، ان میں پہلا وصف اور پہلی خوبی "علم" ہے جس کا حصول و طلب اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ہر مسلمان کے لئے لازم قرار دیا

"طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم"

.com

حاملینِ علم کے لئے ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (الفاطر: ۲۸)

"اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں"

حاملینِ علم کے لئے ارشاد ہے:

اور يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

(المجادلہ: ۱۱)

تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا، درجے بلند کرے گا۔

علم میں "علم کسبی" کے ساتھ "علم وہبی و لدنی" بھی شامل ہے۔ جسے حضرت الامام الشافعی قدس سرہ نے "اللہ تعالیٰ کے نور" سے تعبیر فرمایا:

شکوت الی وکیع سوء حفظی — فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہٖ — و نور اللہ لا یعطی لعاصی

اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان دونوں کی تعبیر "معلومات اور ذوق" سے فرمائی۔

دوسری صفت عقل ہے۔ یعنی وہ قوت جس کے ذریعے ایک انسان اشیاء کے حقائق و خواص کا ادراک کرتا ہے۔ اور درجۂ آخر میں اس سے مراد "عقلِ سلیم" ہے جو اپنے عمل میں غلطی نہیں کرتی اور بقول مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن میں جہاں بھی "عقل" کا لفظ آیا ہے، وہاں "عقلِ سلیم" ہی مراد ہے۔ آخر مشرکوں کو بے عقل کیوں کہا گیا! کیا وہ معمولی عقل سے بھی محروم تھے، نہیں بلکہ "عقلِ سلیم" سے محروم تھے۔

تیسری صفت "عشق" ہے۔ جس سے آسان لفظوں میں مراد حقیقتِ مطلقہ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے وہ تعلق ہے جس کا تقاضا وہ ہم سے کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ: ۱۶۵)

اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

حدیثِ جبریلؑ جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ مشاہدۂ حق میں اس غرق ہو جاؤ اور تمہاری روح یادِ الٰہی میں اس طرح ڈوب جائے کہ بس وہی ہر وقت تمہارے سامنے۔

اقبال مرحوم نے اپنے فارسی و اردو کلام میں اس طرف بہت اچھے اشارے کئے:

من بندۂ آزادم عشق است امام من — عشق است امام من عقل است غلام من

© rasailojaraid.c

ہنگامہ ایں محفل از گردشِ جامِ من ایں کوکبِ شامِ من ، ایں ماہ تمامِ من
جانی در عدم آسودہ بے ذوقِ تمنّا بود مستانہ نواہا زد در حلقۂ دامِ من

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ کیفیت حاصل ہے تو علم، حکمت، عبادت، ریاضت سبھی معتبر ہیں، ورنہ محض دھوکہ! بقول اقبال مرحوم

شہیدِ محبّت نہ کافر نہ غازی محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے !! تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
نہ محتاجِ سلطان، نہ مرعوبِ سلطان محبّت ہے آزادی و بے نیازی

"قلب" کو جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے فرمائیں جس کے راوی ہیں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جسے حضرات امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے نقل کیا۔ (ترجمہ یہ ہے):

نبی مکرم، رسولِ رحمت نے فرمایا: حلال و حرام کا معاملہ تو واضح ہے (انمیں سے ہر ایک کا واضح بیان ہوگیا) البتہ ان کے درمیان ایک درجہ ہے وہ یہ کہ بعض اشیاء مشتبہ ہوتی ہیں، جنہیں بہت سے (چنگے بھلے) لوگ بھی نہیں جانتے۔ ان سے جو بچ گیا اس نے اپنے دین اور آبرو کی سلامتی کا سامان کر لیا اور جس نے ان کے معاملے میں احتیاط نہ برتی اور ان میں مبتلا ہوگیا، اس کا کھلے حرام میں بھی مبتلا ہونے کا خطرہ ہے (اس کی مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا) کہ جیسے ایک بکریاں چرانے والا مخصوص چراگاہ کے اردگرد بکریاں چرا رہا ہو تو اس کا امکان ہے کہ اس کی بکریاں چراگاہ کے اندر تک پہنچ جائیں ــــ یاد رکھو کہ ہر بادشاہ کی مخصوص چراگاہ ہوتی ہے (جس میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی) اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں، ان کی چراگاہ اس کے حرام کردہ محارم ہیں (حرام کردہ چیزیں، جن سے بچنا لازم ہے) یاد رکھو انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب تک وہ درست ہوگا تو سارا جسم سلامت رہے گا، وہ فاسد ہو جائے گا تو پھر سارے جسم کا بگاڑ لازم ہے ــــ یاد رکھو وہ قلب ہے۔ (مشکوٰۃ ص۲۴۱)

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، حضور علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب ہے کہ:

l.com

جب بنی آدم کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو اس کے دل پہ سیاہ نشان (نقطہ) پڑ جاتا ہے توبہ و استغفار کے باعث وہ نقطہ دھل جاتا اور قلب صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر توبہ نہ ہوئی اور گناہوں کا سلسلہ بڑھتا رہا تو وہ دل پہ اس طرح غالب آجائیں گے کہ سارا دل سیاہ ہو جائے گا۔ اسی کیفیت کو "ران" سے تعبیر کیا گیا ہے (یہ اشارہ ہے سورۂ مطففین کی آیت ۱۴ کی طرف جسے حضور علیہ السلام نے یہاں تلاوت بھی فرمایا، اس کا ترجمہ ہے) "ہرگز نہیں بلکہ اُن کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پہ زنگ لگ گیا ہے"

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ صـ۲۰۴)

اور ایک حدیث میں ہے:

یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے لوہے پہ پانی پڑنے سے وہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اس پہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: فما جلاؤھا یارسول اللہ۔ پھر ان دلوں کو صیقل کیسے جائے؟ تو جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن: رواہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

(البیہقی فی شعب الایمان / مشکوٰۃ صـ۱۸۹)

آئینہ قلب کی صفائی ہو جائے اور انسان دولتِ احسان سے مالا مال ہو جائے اور اسے حضوریٔ قلب کی نعمت عظمٰی میسر ہو تو پھر اس کا حال مجدد سرہندی قدس سرہٗ جیسا ہو جاتا ہے جو "خوف و رجاء" کی کیفیت کا شکار ہو کہ جہاں اللہ تعالٰی سے خیر کی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں، وہاں یہ خطرہ بھی لاحق رہتا ہے کہ نہ معلوم انجام کیا ہوگا؟ ایسے حضرات کی نظر "الاعمال بالخواتیم" پہ ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ "کافر فرنگ" سے نفرت کو بھی جرم گردانتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"معرفت حق برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر می گرداند"

اس کی وجہ یہی ہے کہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص عمر بھر کی خرابیوں کے باوجود آخری وقت میں کسی "خیر" سے مالا مال ہو کر بخشش کا مستحق ہو جائے اور ایک شخص ساری عمر بھلائیاں کر کر کے آخر میں بدنصیبی کا شکار ہو جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس طرح کی ایک روایت نبی اکرم علیہ السلام سے نقل کی۔

© rasailojaraid.c

بہر طور اس چیز کو محسوس کرنا ضروری ہے کہ ہماری سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ تعلق مع اللہ کی صحیح کیفیت حاصل ہو جائے، لیکن وائے افسوس کہ آج اسی سے ہم سب غافل ہیں اور بہت زیادہ! اس کے لئے محض کتابی مطالعہ اور تفکر و تدبر کافی نہ ہوگا بلکہ کسی "مزکّی" اور "صاحب احسان" سے وابستگی بھی ایک طرح کی لازمی ضرورت ہے۔ اس کا احساس مولانا ثناء اللہ اور مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے اہل حدیث بزرگوں کو بھی تھا۔ جنہوں نے بعض لوگوں کو مولانا تھانوی سے اس سلسلہ میں رابطہ کا مشورہ دیا اور مولانا بٹالوی نے تو فرمایا کہ چالیس سال کے تجربہ کے بعد اس کی **اہمیت و ضرورت الم نشرح** ہوگئی، ہاں یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص سلاسل اربعہ میں سے کسی کا اہتمام کرے، اصل اہتمام اس کاوش کا چاہئے! چنانچہ مولانا تھانوی ہی کے تذکرہ میں ہے کہ ایک اہل حدیث دوست ان سے بیعت ہوئے۔ حضرت کے بتلائے ہوئے معمولات بھی پورے کرتے، خدمت میں حاضری بھی دیتے لیکن انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سلاسل اربعہ میری سمجھ میں نہیں آتے، حضرت نے فرمایا، کوئی حرج نہیں ان کا سمجھنا بھی ضروری نہیں، ہاں اس لائن کو چھوڑنا صحیح نہیں۔ چنانچہ وہ باقاعدہ تعلق قائم کر کے سرگرم عمل رہے حضرت مولانا سید داؤد غزنوی قدس سرہ کے متعلق حتماً تو نہیں کہہ سکتا لیکن بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الشیخ شاہ عبد القادر رائپوری قدس سرہ سے باقاعدہ تعلق تھا۔

اس کی وجہ بقول ایک معرفت شناس یہ ہے کہ اصلاح کا کام دل کے ساتھ ہے۔ دل کی بیماریوں کا قصہ جسم کی بیماریوں کی طرح ہے، جسم کے علاج کے لئے معالج لازم ہے تو یہاں بھی لازم ہے۔ بلکہ جسم سے بڑھ کر، کیونکہ جسم کی بیماری کا بالعموم انسان کو خود بھی پتہ چل جاتا ہے لیکن دل کا معاملہ دگرگوں ہے۔

اس موقع پر مستری محمد صدیق صاحب بٹالوی مرحوم کے حوالہ سے ایک واقعہ بھی نقل کر دینا لازم ہے کہ مستری صاحب نے تبلیغی جماعت اور مولانا مودودی کے باہم اتحاد کی فکر کی، مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ و خادم مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلہ میں مولانا مودودی سے ملاقاتیں اور مولانا مودودی کا میوات کے تبلیغی سفر پر جانا ایک امر واقعہ ہے، اس کے بعد مولانا مودودی نے اپنے رسالہ میں تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں ایک نہایت ہی اچھا آرٹیکل لکھا۔ مولانا احتشام الحسن نے اسی موقع پر مولانا مودودی کی توجہ اس طرف دلائی کہ ذرا کسی شیخ سے رابطہ کریں۔ مولانا مودودی نے اس کو تسلیم کیا اور انہی سے مشورہ کیا تو انہوں نے بعض حضرات کے اسمائے گرامی بتائے۔ جن میں سے دو بزرگوں مولانا رائے پوری اور شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے ایک کے

d.com

ساتھ مولانا نے تعلق جوڑنے کی حامی بھر لی۔ لیکن افسوس کہ ان کے بعض جماعتی احباب نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا، ایسا ہو جاتا تو ان کے کام کے برگ و بار کچھ اور ہی ہوتے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ــــــ اصل اس ضرورت کا احساس دلانا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے لئے اتنا کچھ کافی ہے

حرفِ آخر کے طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرنا چاہتا ہوں جس میں آپؐ نے فرمایا:

أَمَرَنِي رَبِّي بِتِسْعٍ، خَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةُ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَا، وَأَنْ أَصِلَ مَنْ قَطَعَنِي، وَأُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِي، وَأَعْفُوَ عَنْ ظَلَمَنِي، وَأَنْ يَكُونَ صَمْتِي فِكْرًا، وَنُطْقِي ذِكْرًا وَنَظَرِي عِبْرَةً.

یعنی میرے رب نے مجھے نو چیزوں کا حکم فرمایا: کھلے اور چھپے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غضبؐ کی حالت ہو یا خوشی و رضا کی ہر حال میں انصاف کرنا۔ فقر کی حالت ہو یا امیری کی، راستی و اعتدال پر قائم رہنا، جو مجھ سے کٹے اس سے جوڑنا، جو مجھے محروم کرے اسے دینا، زیادتی کرنے والے کو معاف کرنا، یہ کہ میری خاموشی تفکر کی خاموشی ہو، میری گفتگو ذکر الٰہی کی گفتگو ہو اور میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔

ہمارا طالب علمانہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی علیہ السلام نے ان چند جملوں میں "احسان کی روح" ذکر فرما دی، رب کریم اپنے کرم بے پایاں سے ہمارے قلوب کی حالت درست فرما دے، ان کی اصلاح کی بھرپور فکر کی ہمیں توفیق دے۔

اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ. اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰى طَاعَتِكَ

آمین، بحرمۃ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں ــــــ!

© rasailojaraid.com

اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحۂ عمل (آخری قسط)

(سورۃ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

اب آئیے پھر اسی حدیث کی طرف جس کا اختتام ہوتا ہے اس وعید پر : وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ ۔ یہ ہے نہی عن المنکر کی اہمّیت ۔ وقت کی کمی کے باعث بڑی تیزی سے چند نکات کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کرا کے اپنی بات ختم کر دوں گا ۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان تینوں میں سے کون سا درجہ اختیار کیا! کیا صرف دل سے جہاد کیا! یا صرف زبان سے جہاد کیا! یا طاقت سے بھی کیا! — سب سے اونچا درجہ تو طاقت کا ہے ۔ محمد رسول اللہؐ اور اُنؐ کے صحابہ کرامؓ نے یہ جہاد طاقت سے کیا ۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ طاقت سے کیسے کیا ؟ طاقت کا استعمال کس طور پر فرمایا ! بطورِ مفروضہ عرض کرتا ہوں کہ حضورؐ نے طاقت کا استعمال اس طرح نہیں کیا جب آپؐ نے دعوت شروع کی تو جو بیس پچیس سعید روحیں آپؐ پر ایمان لے آئی تھیں، ان کا ایک چھوٹا سا جیتھہ حضورؐ بناتے اور انہیں حکم دیتے کہ رات کی تاریکی میں چھپ چھپا کر جاؤ اور کعبہ شریف میں رکھے ہوئے سارے بت توڑ دو ۔ کر سکتے تھے یا نہیں ! — کر سکتے تھے ، عملاً ممکن تھا ۔ وہاں کعبہ کی حفاظت کرنے کے لئے کوئی بریگیڈ آرمی اور مسلّح پہرہ نہیں ہوتا تھا ۔ ایک مرتبہ جا کر صحابہ کرامؓ تمام بتوں کو توڑ سکتے تھے ۔ یہ مکّہ میں سب سے بڑا منکر تھا کہ نہیں ؟ لیکن حضورؐ نے اسے برداشت کیا ۔ کیوں کیا ؟ اس لئے کہ پہلے ایک معتدبہ افراد کی ایک جمعیت فراہم کی جائے ۔ ایک طاقت فراہم کی جائے ، فدائین اور تربیت یافتہ جاں نثاروں کی ایک جماعت تشکیل دی جائے ۔ یہاں تربیت سے مراد عسکری تربیت نہ لیجیے گا ۔ اس سے مراد ہے روحانی و اخلاقی تربیت جس کے لئے ہمارے دین کی اصطلاح ہے تزکیہ — ایک کام